تنقید کے اردو تراجم: کردار اور اثرات

Urdu Translations of Criticism: Role and Impact

ڈاکٹر اورنگ زیب نیازی

پروفیسر (اردو)، گورنمنٹ اسلامیہ گریجوایٹ کالج، سول لائنز، لاہور۔

Abstract:

The tradition of critical translations in Urdu is not very old but its influence on Urdu criticism is very deep. All most all the critical theories has been transfered in Urdu from western literature through translations. From romantic criticism to Environmenatal criticism, translations from English nd other western languages played an important role in the initiation and evolution of contemporary trends. "Muqadma e shir o shairi" of Maulana Hali is recognized as the starting point of formal Urdu criticism. However, it is not a transltion but directly influenced by western criticism. The"Poetics"of Aristotle translated in to Urdu by different translaters with different names and be succssful to to give a new direction to Urdu criticism. Due to the Urdu translations of western criticism, new dimension are added to the creative genere of Urdu and the literary thought. This article present briefly a study of tradition of Urdu translations in criticism and its impacts on Urdu criticism.

Keywords: Transltion, Poetics, Jameel Jalbi. Metaphor. Language, Culture

اردو میں تنقیدی تراجم کی روایت زیادہ پرانی نہیں ہے لیکن تنقید پر اس کا اثر بہت گہرا ہے۔ اردو کے کم و بیش تمام تنقیدی نظریات مغرب سے ترجمے کے ذریعے اردو میں منتقل ہوئے ہیں۔ رومانی تنقید سے لے کر مابعد نو آبادیاتی اور ماحولیاتی تنقید تک تمام معاصر تنقیدی رجحانات کے آغاز اور ارتقا میں انگریزی اور دوسری مغربی زبانوں سے ہونے والے تراجم کا اہم کردار ہے۔ حالی کا مقدمہ ءشعر و شاعری کو اردو میں باقاعدہ تنقید کا نقطہ ءآغاز تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ ترجمہ نہیں ہے لیکن حالی مغربی تنقید سے براہ راست استفادہ کیا۔ ارسطو کی بوطیقا کے ایک سے زائد تراجم ہوئے اور یہ

کتاب اردو تنقید کو ایک واضح رخ دینے میں کامیاب ہوئی۔ مغربی تنقید کے اردو تراجم کی وجہ سے اردو کی تخلیقی اصناف میں بھی نئی جہات کا اضافہ ہوا اور اردو کی ادبی فکر بارور ہوئی۔ اس مضمون میں تنقید کے اردو تراجم کی روایت اور اردو ادب کی ترقی مین ان کے اثرات کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔

کلیدی الفاظ: ترجمہ، بوطیقا، جالبی، استعارہ، زبان، ثقافت۔

ترجمے کی روایت میں تنقیدی تراجم کا اختصاص ان کے علمی و فلسفیانہ تناظر سے قائم ہوتا ہے۔ یہی اختصاص تخلیقی ادب کے تراجم اور تنقیدی تراجم کے مابین ایک حد فاصل بھی قائم کرتا ہے۔ اردو تنقید کے دور اوّل سے لے کر اکیسویں صدی تک تنقیدی تراجم کی ایک پُر اثر روایت موجود رہی ہے تاہم یہ تسلیم کرنے میں بھی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ تنقیدی تراجم کی روایت محدود جب کہ تخلیقی ادب کے تراجم کی روایت نسبتاً زیادہ مضبوط اور وسیع ہے۔ اس فرق کی متعدد وجوہات ہو سکتی ہیں تاہم ایک بڑی وجہ تخلیقی ادب کی مقبولیت اور عام قارئین کی دلچسپی ہے؛ جو کاروباری منفعت کو جواز فراہم کرتی ہے اور ادبی کتابوں کے ناشرین کو فکشن، شاعری، سفر نامہ اور عمومی دلچسپی کے دیگر موضوعات کا ترجمہ کرانے اور شائع کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ تخلیقی ادب کے ترجمے کی طرف مترجمین کے التفات کا سبب بھی یہی ہو سکتا ہے۔ ترجمے کے لیے خصوصی طور پر قائم کیے گئے اداروں مثلاً فورٹ ولیم کالج، سائنٹفک سوسائٹی اور دارالترجمہ عثمانیہ وغیرہ کی توجہ بھی اپنے خاص مقاصد کے تحت سائنسی علوم اور تخلیقی ادب کے تراجم پر مرتکز رہی حتیٰ کہ قیام پاکستان کے بعد قائم ہونے والے علمی و ادبی اداروں کی مرکزی فہرست میں بھی تنقید ترجیحی بنیادوں پر شامل نہیں ہو سکی۔ اردو میں انگریزی اور دوسری زبانوں سے تنقیدی کتب و مضامین کے جس قدر تراجم ہوئے ہیں ان میں بڑی تعداد انفرادی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

دوسری اہم اور بڑی وجہ فکشن و شاعری اور تنقیدی ڈسپلن میں تناظر کا فرق ہے۔ فکشن و شاعری کا ترجمہ کلچر کو پیش کرتا ہے۔ یہاں بنیادی سوال استعارے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ آیا استعارہ اپنے تہذیبی و ثقافتی تناظر اور اپنے تمام تر مضمرات کے ساتھ دوسری زبان میں منتقل ہو سکا ہے یا نہیں ؟جب کہ تنقیدی ترجمے پر ترجمہ کاری کا یہ بنیادی اصول لاگو نہیں ہوتا۔ تنقید کا ترجمہ کلچر کے بجائے فکر و فلسفہ کی روایت کو پیش کرتا ہے۔ یہ متن کے تہذیبی و ثقافتی تناظرات اور استعاراتی جہات کے ساتھ ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنے سے زیادہ پس منظر میں موجود علمی روایت اور فلسفیانہ جہات کو پیش نظر رکھتا ہے۔ یہاں کسی قسم کی فوقیتی ترتیب ہمارا مقصود نہیں ہے۔ مقصد محض اس فرق کو نشان زد کرنا ہے جو قاری اور مترجم کو تخلیقی ادب کے ترجمے کی طرف زیادہ جب کہ تنقیدی ترجمے کی طرف کم متوجہ کرتا ہے۔ یہ بدیہی حقیقت ہے کہ علمی و فلسفیانہ مباحث نہ صرف عام قاری بلکہ تربیت یافتہ قاری حتیٰ کہ مترجمین سے بھی ذہنی مشقت اور علمی ریاضت کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس گرانی سے نبرد آزما ہونا ہر ناتواں کے بس کی بات نہیں۔

اردو تنقید نے مغربی تنقید سے بھرپور استفادہ کیا ہے؛ اس میں کوئی دوسری رائے نہیں ہو سکتی۔ مقدمہ ءشعر و شاعری سے لے کر اکیسویں صدی تک اردو میں رومانی، مارکسی، نفسیاتی، جدید، ساختیاتی، پس ساختیاتی، اسلوبیاتی، تانیثی، مابعد نو آبادیاتی اور ماحولیاتی تنقید جیسے جس قدر بھی تنقیدی رجحان اور رویّے تشکیل پائے ہیں؛ سب کے سب اپنی اصل میں انگریزی / مغربی ہیں۔ ان تنقیدی نظریات کا اردو میں کامیاب اطلاق بھی ہوا اور کہیں ناکامی بھی ہوئی۔ ان کی تشریح و تعبیر بھی ہوئی؛ ان پر سوالات بھی اُٹھائے گئے اور ان کی توسیع بھی ہوئی لیکن اس حقیقت سے مفر ممکن نہیں کہ ان کا جنم مغرب ہوا۔ ہمارے پاس کوئی ایسا پیمانہ نہیں جس سے ہم یہ طے کر سکیں کہ مغربی تنقید سے کتنا استفادہ اس کے براہ راست مطالعے سے کیا گیا اور کتنا ترجمے کے ذریعے سے ؟لیکن یہ امر طے شدہ ہے کہ اردو تنقید نے اپنے باقاعدہ آغاز کے وقت سے ہی مغربی تنقید سے استفادہ کرنا شروع کر دیا تھا خواہ یہ زبانی

ترجمے کی صورت میں ہو۔ڈاکٹر وحید قریشی نے ''مطالعہ حالی''میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں انگریزی تہذیب و تمدن کے ابتدائی دور میں ہی اردو تنقید پر انگریزی تنقید کے اثرات مرتب ہونا شروع ہو گئے تھے لیکن تذکرہ نگار انگریزی زبان سے پوری طرح واقف نہیں تھے۔انگریزی کے سرسری مطالعے سے تذکرہ نگاری میں ایک فرق ضرور آیا لیکن نئی تنقیدی اصطلاحات کا مفہوم غیر معین ہی رہا۔حالی اور شبلی نے انگریزی اصول انتقاد کو سمجھنے کی کوشش کی اور قدیم اردو اصول انتقاد کا نئے سرے سے مطالعہ کیا۔انھوں نے قدیم و جدید مغربی تنقید کا مطالعہ کیا اور قدیم ڈھانچے کی حدود متعین کرنے کے بعد مغربی تصورات کو اس ڈھانچے میں سمونے کی کوشش کی۔(۱)اردو کے اولین نقادوں نے مغربی تنقیدی کتب و مضامین میں پیش کیے گئے خیالات سے کہاں صرف استفادہ کیا، کہاں ان کا ترجمہ کیا اور اس کوشش میں کہاں لغزشیں کھائیں؟ان حقائق کو محققین تفصیل اور دلائل کے ساتھ پیش کر چکے ہیں۔لیکن یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ اس وقت تک اردو میں تنقیدی تراجم کی اشاعت کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔اردو میں کس کتاب، مضمون یا تحریر کو پہلا تنقیدی ترجمہ کہا جائے گا؟اس بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا تاہم بیسویں صدی کے نصف اول سے جس تنقیدی کتاب کے ترجمے کا بہت شہرہ ہوا؛جو بہت زیادہ زیر مطالعہ رہی؛وہ ارسطو کی کتاب Poetics ہے۔یہ نہ صرف اردو بلکہ تنقیدِ عالم کی تاریخ میں سب سے قابل ذکر کتاب ہے جس نے فنِ شاعری پر نئے مباحث کو جنم دیا اور سب سے پُر اثر کتاب ثابت ہوئی۔بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:''مغرب کی تنقید یا تو ارسطو سے اتفاق کے نتیجے میں یا اختلاف کے نتیجے میں یا پھر ان دونوں کے امتزاج سے پیدا ہوئی۔غرض کہ مغرب کی تنقید میں ارسطو ایک خدا کی طرح قائم ہے اور تنقید کوئی راستہ اختیار کرے،اس کے حلقہء اثر سے باہر نہیں جا سکتی۔''(۲)

اردو میں Poetics کے ایک سے زائد تراجم ہوئے ہیں۔عزیز احمد نے اس کا ترجمہ ''فنِ شاعری'' کے نام سے کیا جو ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا۔ڈاکٹر جمیل جالبی کی کتاب ''ارسطو سے ایلیٹ تک''میں اس کتاب کا مترجمہ متن ''بوطیقا'' کے نام سے شامل ہے۔جالبی صاحب کی کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔شمس الرحمٰن فاروقی کا ترجمہ ''شعریات'' کے نام سے ۱۹۷۸ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوا۔Poetics کے بارے میں محققین کا خیال ہے کہ اس کتاب کا اصل متن ناپید ہے۔یہ بھی وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ دستیاب متن مکمل ہے یا اصل متن کا خلاصہ ہے۔یہ متن سریانی، عربی اور انگریزی سے ہوتا ہوا اردو مترجمین تک پہنچا ہے۔عزیز احمد اور شمس الرحمٰن فاروقی نے Butcher کے انگریزی ترجمے کو پیش نظر رکھا ہے جب کہ جمیل جالبی نے ایسی کوئی معلومات نہیں دیں جن سے اندازہ ہو کہ انھوں نے کہاں سے ترجمہ کیا ہے۔مذکورہ تینوں تراجم میں مفہوم کا ٹکراؤ کچھ خاص نہیں ہے لیکن لفظی سطح پر یہ تراجم ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔ذیل میں تینوں تراجم سے ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے؛جس سے ترجمے کا فرق واضح ہو جاتا ہے:

عزیز احمد:

> ''رزمیہ شاعری، ٹریجڈی (المیہ)، کامیڈی (طربیہ) بھجن اور اسی طرح بانسری اور چنگ کے راگ، اگر آپ بالکل عام نقطہء نظر سے دیکھیں تو یہ سب نقلیں ہیں۔پھر بھی یہ تین لحاظوں سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور وہ اس طرح سے کہ ان کے نقل کرنے کے ذریعے مختلف ہیں، موضوع مختلف ہیں اور طریقے مختلف ہیں۔''(۳)

جمیل جالبی:

> ''ایپک اور ٹریجک شاعری، کامیڈی بھی، غنائی شاعری اور زیادہ تر وہ شاعری جو بانسری اور لائر کے لیے ترتیب دی جاتی ہے۔ان سب کے بارے میں عام الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ سب کی سب نقل یا ''نمائندگی'' کی صورتیں ہیں۔مگر یہ

ایک دوسرے سے تین باتوں میں مختلف ہیں یا تو یہ نمائندگی کے لیے مختلف ذرائع استعمال کرتی ہیں یا یہ مختلف چیزوں کی نمائندگی کرتی ہیں یا پھر ان کی نمائندگی بالکل ہی مختلف طریقوں سے کرتی ہیں۔"(۴)

شمس الرحمٰن فاروقی:

"رزمیہ شاعری ہو یا المیہ یا طربیہ یا پرجوش شرابی کورس اور اکثر ہیئتوں میں بانسری کے نغمے ہوں یا بربط کے۔ یہ سب کے سب اپنی عمومی صورت میں نمائندگی یا ترجمانی کے طریقے ہیں۔ لیکن یہ تین بنیادوں پر ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں یعنی نمائندگی کے ذرائع، وہ اشیا جن کی نمائندگی کی جائے اور وہ طریقے جو نمائندگی کے لیے اختیار کیے جائیں۔ (۵)"

یہ تینوں اقتباسات ایک ہی متن کا ترجمہ ہیں۔ عزیز احمد نے Dithyramb کا ترجمہ "بھجن"، جمیل جالبی نے "غنائی شاعری" اور فاروقی نے "پرجوش شرابی کورس" کیا ہے۔ فاروقی صاحب نے حاشیے میں وضاحت بھی کی ہے کہ اردو اور فارسی میں اس لفظ کا کوئی متبادل موجود نہیں ہے۔ کوئی متبادل لفظ مکمل مفہوم بھی ادا کرے؛ یہ ضروری نہیں ہے۔ تنقیدی تراجم میں کوئی ایسا لفظ جو براہ راست اصل فکر یا مدعا کو متاثر نہ کرتا ہو، اس کے ترجمے میں اختلاف زیادہ اثر انداز نہیں ہوتا لیکن کوئی ایسی اصطلاح جس پر متن کی عمارت کھڑی ہو؛ اس کے ترجمے میں اختلاف یا غلطی پورے متن کا مفہوم بدل دیتی ہے۔ مذکورہ تین اقتباسات میں Mimesis کا ترجمہ قابل غور ہے۔ عزیز احمد نے اس کا ترجمہ "نقل"، جمیل جالبی نے "نقل اور نمائندگی" دونوں جب کہ فاروقی نے صرف "نمائندگی" کیا ہے۔ کتاب کے مقدمے میں فاروقی صاحب نے اس کی وضاحت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"یونانی میں لفظ Mimesis کے کئی معنی ہیں اور سیاق و سباق سے اس کا ترجمہ نقل کرنا، نمائندگی کرنا، بتانا اور ظاہر کرنا ہو سکتا ہے۔ ان سب مفاہیم میں کسی چیز کو اس طرح کرنا یا بنانا شامل ہے کہ وہ کسی اور چیز سے مشابہ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ مفہوم خالص نقل کے تصور سے نہیں ادا ہو سکتا۔ متداول ہو جانے کی وجہ سے اور اس وجہ سے بھی شروع شروع میں انگریزی لفظ Imitation کا مفہوم محض نقل نہیں تھا، انگریزی میں Mimesis کا ترجمہ Imitation رائج ہو گیا۔ ورنہ اردو میں نقل کی اصطلاح ارسطو کے ساتھ پورا انصاف نہیں کرتی۔"(۶)

تنقید کا ترجمہ محض ایک متن کو نہیں ایک فکر کو دوسری زبان میں منتقل کرتا ہے۔ ہر نئی فکر اور نیا علم اپنے ساتھ مختلف اصطلاحات لاتا ہے اور ہر اصطلاح اپنے تناظر میں ایک مخصوص مفہوم کی حامل ہوتی ہے۔ ترجمے کے عمل میں یہ تناظر کسی حد تک تبدیل ہو جاتا ہے۔ تناظر کی تبدیلی کے ساتھ اصطلاح کا مکمل مفہوم برقرار رہتا ہے یا نہیں؟ یہ تنقیدی تراجم کو درپیش ایک بڑا سوال ہے۔ مثلاً ماحولیاتی تنقید میں Pastoralism کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ اردو لغات میں اس کے لیے دیہاتی شاعری، قصباتی شاعری، راعیانیت اور روستائیت جیسے کئی متبادل الفاظ موجود ہیں لیکن ان میں سے کوئی لفظ بھی مکمل مفہوم کا حامل نہیں ہے کیوں کہ Pastoral شاعری یا ادب قصباتی / دیہاتی فطرت کے مناظر و مظاہر کو ہی پیش نہیں کرتا؛ شہری معاشرت اور مصنوعی زندگی کے خلاف خالص فطرت کا تجربہ بھی کرتا ہے اور زیر سطور فطرت کے استحصال کے خلاف اپنا احتجاج بھی ریکارڈ کراتا ہے۔ گزشتہ سطور میں Poetics کے مختلف تراجم میں Mimesis کے ترجمے میں اختلاف کا تفصیلی ذکر بھی اسی نکتے کو نشان زد کرنا ہے۔ اگر فاروقی صاحب

کی رائے سے مکمل اتفاق کر لیا جائے تو مغربی اور اردو تنقید میں ''تصور نقل'' کی بنیاد پر جو ادبی مباحث ہوئے ہیں وہ معرضِ سوال میں آجاتے ہیں۔یعنی تنقیدی ترجمے میں ایک معمولی لغزش کی حیثیت اس خشت اول کی ہے جس کی وجہ سے دیوار فلک تک سیدھی یا ٹیڑھی ہو سکتی ہے۔

Poetics کے علاوہ اردو میں جن تنقیدی تراجم کو زیادہ مقبولیت ملی ان میں ڈاکٹر جمیل جالبی کی مترجمہ ''ارسطو سے ایلیٹ تک'' سب سے قابل ذکر کتاب ہے۔اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔یہ ارسطو سے ٹی۔ایس ایلیٹ تک مختلف مغربی ناقدین کے منتخب مضامین کا ترجمہ ہے۔اس سے قبل منتخب تنقیدی مضامین کا ترجمہ ملک حسن اختر ''تنقیدی نظریے(۱۹۶۶ئ)اور ہادی حسین ''مغربی شعریات(۱۹۶۸ئ) کے نام سے پیش کر چکے تھے لیکن جمیل جالبی کے منتخب مضامین مغربی تنقید کے ارتقا، تاریخ، رجحانات، تبدیلیوں اور کروٹوں کی ایک مکمل داستان ہیں اور یہی اس کتاب کی مقبولیت کا سبب بھی ہے۔گورنمنٹ کالج،لاہور کی سوندھی ٹرانسلیشن سوسائٹی کے زیر اہتمام تراجم پر مشتمل ایک کتاب ''نئی تنقید'' کے نام سے شائع ہوئی۔اس کے مدیر و مرتب صدیق کلیم ہیں۔یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔پہلا حصہ خالص تنقیدی مضامین کے تراجم کا ہے۔اس حصے میں ولیم ایمپسن کی معروف کتاب Seven Types of Ambiguity کے ایک باب کا ترجمہ ''ابہام کی ایک صورت'' کے عنوان سے شامل ہے۔یہ ترجمہ خالد احمد نے کیا ہے۔اردو شاعری بالخصوص جدید اردو نظم کی تفہیم میں یہ کتاب بہت معاون ثابت ہوئی ہے۔فرانز فینن کی کتاب The Wretched of the Earth اگرچہ تنقید کی باقاعدہ کتاب نہیں ہے لیکن ادب کے مابعد نو آبادیاتی مطالعات میں کلیدی کردار کی حامل ہے۔سجاد باقر رضوی اور محمد پرویز نے اس کا ترجمہ ''افتادگان خاک'' کے عنوان سے کیا جو ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔یہ امر حیران کُن ہے کہ اس ترجمے کے باوجود اردو میں مابعد نو آبادیاتی مطالعات کا آغاز بہت دیر سے اکیسویں صدی میں جا کر ہوا۔اردو دنیا مابعد نو آبادیاتی مطالعات کی طرف ایڈورڈ سعید کی کتاب Orientalisms سے تعارف کے بعد متوجہ ہوئی۔محمد عباس نے اس کتاب کو ۲۰۰۵ء میں اردو روپ دیا۔یہ ترجمہ مقتدرہ قومی زبان سے شائع ہوا۔ناصر عباس نیر کی طبع زاد تنقیدی کتاب ''مابعد نو آبادیات:اردو کے تناظر میں''(۲۰۱۴ئ) کو اردو میں مابعد نو آبادیاتی تنقیدی دبستان کا نقطہء آغاز تسلیم کیا جاتا ہے۔ڈاکٹر نیر نے فرانز فینن اور ایڈورڈ سعید کی کتابوں سے استفادہ بھی کیا اور ان کے خیالات سے اختلاف بھی کیا۔ان کی تنقید ترجمے سے زیادہ براہ راست مطالعے کا ثمر معلوم ہوتی ہے۔تاہم ان کے بعد اردو میں جو مابعد نو آبادیاتی مطالعات کا ایک سلسلہ شروع ہوا اس میں فینن اور سعید کے تراجم کا اہم کردار ہے۔بیسویں صدی کے اختتام پر اردو تنقید میں ایک نیا موڑ آیا۔یہ لسانی ادبی تھیوری اور اس کے ذیلی مباحث کے اثر سے تھا۔ساختیات، پس ساختیات، بین المتونیت اور تانیثیت جیسے تنقیدی رجحانات اردو میں تیزی سے رواج پانے لگے۔اس رجحان کی مقبولیت میں تھیوری سے وابستہ ناقدین کا خاص کردار رہا ہے۔انفرادی کوششوں سے اور نصابی ضرورت کے تحت کئی کتابوں کے ترجمے ہوئے جنھوں نے قارئین کو نئے تنقیدی مباحث کی تفہیم میں مدد دی۔ان مین جین فرانکو ایس لیوتار کی کتاب The Postmodern Condition:A Report on Knowledge کا ترجمہ ''مابعد جدید صورت حال''(واجد علی انصاری)، ٹیری ایگلٹن کی کتاب After Theory کا ترجمہ ''تھیوری کے بعد''(داؤد راحت)، پیٹر بیری کی کتاب Beginnig Theory کا ترجمہ ''بنیادی تنقیدی تصورات'' اور مار گریٹ والٹرز کی کتاب Feminism:A very Short Introduction کا ترجمہ ''تانیثیت:ایک تعارف(نیلم نسیم) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔میلان کنڈیرا کی معروف کتاب The Art of the Novel کا ایک ترجمہ ''ناول کا فن'' کے عنوان سے ارشد وحید نے کیا اور دوسرا محمد عمر میمن نے کیا ہے۔یہ کتاب میلان کنڈیرا کے پانچ تنقیدی مضامین اور دو انٹرویوز پر مشتمل ہے۔اس کتاب نے نہ صرف ناول کی تنقید کو ایک نئی راہ دکھائی بلکہ اردو ناول کی تخلیق پر بھی اس کے اثرات کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔قبل ازیں ناول کے حوالے سے ای۔ایم۔فورسٹر کی کتاب Aspects of the Novel کا ترجمہ ابوالکلام قاسمی نے ناول کا فن کے نام سے کیا جب کہ نعمت الحق

نے اورحان پامک کی کتاب The Naive and the Sentimental Novelist کا ترجمہ جدید ناول کا فن کے عنون سے کیا جو ۲۰۲۲ء میں شایع ہوا۔ متعدد تنقیدی مضامین کے تراجم جو مختلف رسائل اور کتب میں شایع ہوتے رہے ہیں، وہ بھی ترجمے کی اس روایت کا اہم حصہ ہیں۔

اردو میں تنقید کے جس قدر محدود تراجم ہوئے ہیں ان کا کردار دو حوالوں سے بہت اہم رہا ہے۔ اوّل زبان کی افزائش کے حوالے سے اور دوم فکر میں اضافے کی وجہ سے۔ زبان کا ترجمے میں بنیادی کردار ہوتا ہے۔ ترجمے کے عمل سے ایک زبان دوسری زبان کے ذخیرہء الفاظ، اس کی ثقافت و مزاج اور ساخت سے متاثر بھی ہوتی ہے اور اس کے اثرات کو قبول بھی کرتی ہے۔ جیلانی کامران کا یہ کہنا درست ہے کہ: "جب دو لسانی وحدتیں عمل پیرا ہوتی ہیں تو نہ صرف متاثر ہونے والی زبان کے الفاظ اس عمل میں شریک ہوتے ہیں بلکہ اس زبان اور لسانی وحدت کے معانی بھی دوسری زبان میں منتقل ہونے لگتے ہیں۔"(۷) مترجم کے لیے صرف لفظ اہم نہیں ہوتے، خاص طور پر کسی تنقیدی متن کا ترجمہ کرتے ہوئے لسانی خوبیوں اور ان کے استعمالات سے زیادہ اس کے پیش نظر وہ تنقیدی فلسفہ ہوتا ہے جسے وہ اس کے مکمل مضمرات کے ساتھ ایک دوسری زبان میں منتقل کرنا چاہتا ہے۔ ساختیات کی رُو سے متن ایک ثقافتی تشکیل ہے۔ متن کے معانی، متن سے باہر ایک ثقافتی تناظر میں پیدا ہوتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا کہ ترجمے کے دوران ثقافتی تناظر میں افتراق کی وجہ سے معانی پوری طرح منتقل ہوتے ہیں یا نئے معانی پیدا ہوتے ہیں؟ جیلانی کامران نے جو بات غیر ادبی تصانیف کے تراجم کے بارے میں کہی تھی وہ یہاں بھی صادق آتی ہے کہ "ترجمہ دراصل ایک زبان کی لسانی موت سے پیدا ہوتا ہے اور دوسری زبان کی لسانی افزائش کا باعث بنتا ہے۔"(۸) لسانی موت سے مراد یہ ہے کہ Source Text کے الفاظ جب Target Text کی زبان میں منتقل ہوتے ہیں تو وہ پس منظر میں چلے جاتے ہیں اور ان کی جگہ دوسری زبان کے الفاظ پیش منظر پر آجاتے ہیں۔ جب ثقافتی تناظر تبدیل ہوتا ہے تو لفظ کے معانی اور اس سے وابستہ تصورات اگر پوری طرح منتقل ہوں یا ان کے کچھ حصے منتقل ہوں اور کچھ فراموش کر دیے جائیں؛ دونوں صورتوں میں لفظ کی نئی تشکیل کچھ نئے مفاہیم کا اضافہ بھی کرتی ہے۔ ایک زبان کے الفاظ دوسری زبان کا صرف متبادل یا قائم مقام نہیں ہوتے۔ یہ الفاظ جو ایک زبان کے ذخیرے میں پہلے سے موجود ہوتے ہیں اور محدود معانی کے حامل ہوتے ہیں؛ ترجمے میں دوسری زبان کے الفاظ کی جگہ لینے کے بعد ان کے معانی اور ان سے وابستہ تصورات وسعت آشنا ہو کر زبان کو بھی وسیع کرتے ہیں۔ ایک زبان کا دامن خواہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو؛ دوسری زبان میں پیدا ہونے والے علم اور فکر کو اپنے اندر سمونے کے لیے اسے نئے الفاظ، نئی تراکیب اور نئی اصطلاحات گھڑنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اردو میں رواج پانے والا ہر تنقیدی نظریہ اپنے ساتھ نئی تنقیدی اصطلاحات لے کر آیا۔ نئی اصطلاحات کے ترجمے کے لیے اردو کو بار بار اپنے ذخیرہء الفاظ کو بہت پیچھے تک کھنگالنا پڑا، نیز عربی، فارسی اور ہندی سے رجوع کرنا پڑا یوں بہت سے قدیم یا متروک یا بھلا دیے گئے الفاظ کو نئی زندگی ملی۔ اب اسے اردو کی خوبی کہیے یا خامی کہ یہ دوسری زبانوں کے الفاظ کو پوری طرح اپنے اندر جذب کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ تنقیدی تراجم کی بدولت کئی انگریزی الفاظ اب اردو کا حصہ بن چکے ہیں۔ مثلاً ساختیاتی تنقید میں signifier اور signified کی مرکزی اصطلاحات کے لیے دال اور مدلول یا مشار اور مشار الیہ کے متبادل الفاظ برتے گئے لیکن سگنی فائر اور سگنی فائیڈ کے الفاظ (اردو املا کے ساتھ) زیادہ مقبول ہیں اور پوری طرح اردو کے مزاج سے ہم آہنگ ہو چکے ہیں۔ یہ بھی نشان خاطر رہے کہ ہر شعبہء علم کی اپنی ایک الگ زبان ہوتی ہے۔ فزکس کی زبان الگ ہے، نفسیات کی زبان الگ ہے، ماحولیات کی زبان الگ ہے اور ادب کی زبان الگ ہے حتیٰ کہ ادب کے اندر ہر ڈسپلن کی زبان الگ ہے۔ شاعری فکشن، تحقیق اور تنقید الگ الگ زبان میں اظہار پاتے ہیں۔ اردو میں تنقیدی کے تراجم کی وجہ سے نہ صرف تنقید کی زبان ترقی یاب ہوئی بلکہ مجموعی طور پر اردو زبان کا دامن بھی نئی تراکیب اور نئی اصطلاحات سے وسعت آشنا ہوا۔

تنقید کے اردو تراجم کی وجہ سے اردو ادب نئے علوم، نئی فکر اور نئے تفہیمی زاویوں سے متعارف ہوا۔ اردو تنقید بالخصوص جدید اردو تنقید پر یہ بے جا اعتراض بھی عام ہے کہ اردو تنقیدی نظریات مغربی نظریات کی جگالی ہیں۔ معترضین یہ حقیقت فراموش کر دیتے ہیں کہ یہ بنیادی طور پر علمی روایت کا

فرق ہے۔ اگر ایک زبان کی علمی روایت خود اس قابل نہ ہو کہ نیا علم یا فکر پیدا کر سکے تو دوسری زبانوں اور تہذیبوں کے علم سے استفادہ کرنے میں حرج بھی نہیں ہونا چاہیے۔ نئے تنقیدی نظریات کے مطالعے اور تراجم سے اردو سماج کے فکری رویّوں میں نمایاں تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی ہیں۔ ادب کی نئے انداز میں تفہیم کی بنا پڑی ہے۔ تانیثی مطالعات سے سماجی رویّوں نے ایک کروٹ لی اور مابعد نو آبادیاتی مطالعات سے اپنی تاریخ، زبان اور ثقافت پر بار دگر غور کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ وہ زبان، ثقافت اور شناخت جسے باعث ندامت کہا جاتا تھا، مابعد نو آبادیاتی مطالعات کے بعد قابل فخر محسوس ہونے لگی ہے۔ چناں چہ اب یہ سوال بھی اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ ترجمہ جسے روایتی لفظوں میں "دو تہذیبوں کے مابین پُل" کہا جاتا ہے؛ کیا اب بھی یک طرفہ رہے گا یا دو طرفہ مکالمے کی راہ ہموار کر سکے گا؟ نیز مابعد جدید عہد میں علمی و فکری متون محض دوسری زبانوں میں منتقل ہوں گے یا نئی عالمگیر صورت حال میں کوئی بڑا کردار بھی ادا کر سکیں گے؟

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر وحید قریشی، مطالعہ حالی (لاہور: دارالادب (طبع دوم)، ۱۹۶۶ء)، ۴۶۔

۲۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، مقدمہ، ارسطو سے ایلیٹ تک (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن (طبع ہفتم)، ۲۰۰۳ء)، ۲۹۔

۳۔ عزیز احمد (مترجم)، فن شاعری (دہلی: انجمن ترقیٔ اردو ہند، ۱۹۴۱ء)، ۳۴۔

۴۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، "بوطیقا" مشمولہ ارسطو سے ایلیٹ تک، ۹۶۔

۵۔ شمس الرحمٰن فاروقی، شعریات (نئی دہلی: ترقی اردو بورڈ، ۱۹۷۸ء)، ۳۶۔

۶۔ ایضاً، ۱۶۔

۷۔ جیلانی کامران، تنقید کا نیا پس منظر (لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۶۴ء)، ۶۲۔

۸۔ ایضاً۔